سوال

(07) ہندوستان میں اہل حدیث کی ابتداء وانتہاء

جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہندوستان میں اہل حدیث کی ابتداء وانتہاء

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاته!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

ہندوستان میں اہل حدیث کی ابتداء وانتہاء

(مولانا محمد اشرف صاحب سندھو بلوکی ضلع لاہور)

عربوں کے تجارتی تعلقات قدیم الایام سے چونکہ ہندوستان کے ساحلی علاقوں سے براہ راست چلے آرہے تھے۔ اس لیئے اسلام جب کہ حجاز میں ضوء افگن ہوا۔ تو اس کی مقدس و نورانی شعاعوں سے ہندوستان کے ساحلی علاقے پہلی صدی ہجری بلکہ عہد خلافت راشدہ ہی سے متعارف ہوچکے تھے۔ بناء بریں گجرات و سندھ کے مسلمان عرصہ بعید تک خاص حجازی مذہب یا مسلک اہل حدیث ہی کے حامل و علمبردار رہے۔

چانچہ گجراتی مسلمانوں کی خالص اتباع سنت کی نشان دہی کےلئے حضرت علامہ محمد طاہر کی مصنفہ مجمع البحار منہ بولتی زندہ شہادت ہے۔ مزید برآں بمبئی میں شوافع کا تاریخی وجود اور مالاہار کی موپلا قوم کا شوافع و موالک مذاہب کی تقلید پر انحصار اس حقیقت کی یادگار ہے کہ جب عرب تقلیدی اثر سے متاثر ہوکر شوافع و موالک پر مشتمل ہوگئے۔ تو اسی تیجہ میں یہ لوگ بھی ان سے متاثر ان ہی مذہب پر عامل ہوگئے۔

سندھ

میں چونکہ ایک عرصہ تک خالص عربی حکومت قائم رہی لہذا سندھی مسلمان قرامطہ کے برسر اقتدار آنے سے پیشتر حجازی مذہب یا مسلک اہل حدیث ہی کے علمبردار رہے۔ چنانچہ علامہ بشاری مقدسی جو کہ س 375 میں بغرض سیاحت سندھ میں وارد ہوئے تو انہوں نے اپنی مولفہ کتاب ''احسن التقاسیر؛؛ میں سندھی لوگوں کی مذہبی کیفیت کا نقشہ یوں بیان کیا ہے۔ جب ہم سندھ کے مشہور شہر ''منصورہ''میں وارد ہوئے۔ تو ہندوں کی بت پرستی اور مسلمانوں کو مسلک اہل حدیث پر اور قاضی شہر علامہ ابو محمد منصوری کو امام داود ظاہری

کے طرز کا اہل حدیث پایا۔

قطع نظر

مذکورہ تاریخی شہادت کے ''سندھی محدثین'' کا وجود گرامی جنھوں نے سندھ سے گزر کر مدینہ منورہ مسجد نبوی میں نبی ﷺ کی پائنتی میں بیٹھ کر پوری دنیا کو خالص اتباع کتاب و سنت کی دعوت کے فرائض انجام دئے۔ سونے پہ سہاگہ کا مصداق ہے۔

نجدی دعوت توحید و سنت اور مملکت عربیہ سعودیہ کا وجود

جو عصر حاضر میں پوری دنیا کو عملاً اسلامی آئین اور خالص توحید کی دعوت دے رہا ہے۔ یہ حضرت علامہ محمد حیات سندھی محدثؒ ہی کی زندہ یادگار ہے۔ اس لئے کہ امام توحید حضرت شیخ محمد بن عبد لوہاب نے علامہ سندھی ہی سے فیض تلمذ اور سبق حاصل کرنے کے بعد جب انتہائی جانفشانی سے خالص توحید کا علم نجد میں بلند کیا۔ اور اہل بدعت کی مسلسل و سر توڑ انتہائی خطرناک مخالفتوں اور سازشوں کا شکار ہوئے۔ اور ہجرت در ہجرت کرتے ہوئے۔ آل سعود کے مرکزی دارالامارات درعیہ میں پہنچ گئے تو آل سعود کے بلند بخت امیر محمد بن سعودؒ نے آپ کی دعوت توحید پر اس درجہ صدق دل سے لبیک کہا۔ کہ جان ومال کی پوری قربانی سے دعوت توحید کو کامیاب بنانے کی غرض سے شیخؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور اس انتہائی مسرت او خوشی میں حضرت شیخ نے امیر موصوف کو آخرت میں نجات و کامیابی اور دنیا میں تاج و تخت کی بشارت دی۔ پس اس بشارت پر محمد بن سعود نے حضرت شیخ محمد سے وہی اقرار وعدہ لیا۔ جو کہ انصار نے بیعت کرتے وقت نبی کریم ﷺ سے لیا تھا۔ کہ زندگی اور موت ہر حال ہمارے ساتھ ہوگی۔ چنانچہ امام توحید نے بھی پورے جزبہ سے امیر کے ساتھ یہ وعدہ کر لیا جس کا نتیجہ ہے کہ آل سعود اور آل شیخ آج بھی اس معاہدے کی زندہ و مجسم صورت میں دنیا کے سامنے موجود ہیں کہ تاج و تخت آل سعود کے قبضے میں ہے۔ تو افتاء و قضاء کے عہدہ جلیلہ پر آل شیخ فائز ہیں۔ کیا مجال کے آل سعود بغیر فتویٰ آل شیخ کے کوئی قدم اٹھا سکیں۔

شمالی ہند کا اسلام

چونکہ خراسانی سلاطین کے ہمراہ فاتحانہ شان سے وارد ہوا۔ اور خراسان کے وربست وکشاء پر عہد ہارون رشید سے حنفی فقہا ہی مسلط چلے آرہے تھے۔ لہذا شمالی ہند کے مسلمان خراسانی مذہب (فقہ حنفی) ہی کہ تابع چلے آئے۔ بلکہ ہندوانہ ملکی وقومی رسومات کے اختلاط سے مسلمان فقہ حنفی کی روایات سے سے بھی بہت دور ہٹ گئے۔ یعنی حنفی و ہندوانہ رسم و عقیدہ سے مخلوط ایک نیا مذہب شمالی ہند میں جاری ہوگیا۔ اتمام حجت کے لئے اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف اوقات میں مشاہیر اہل حدیث مثل امام فخرالدین رازی وغیرہ بھی ہندوستان میں تشریف فرما ہوئے۔ اور مشاہیر صوفیاء کرام مثل حضرت علی ہجویری لاہوری جو جہلاء میں حضرت داتا گنج بخش کہلاتے ہیں۔ اور خواجہ معین الدین اجمیری جنھیں عوام خواجہ غریب نواز ہند سے یاد کر رہے ہیں۔ نے خالص کتاب و سنت کی آواز بلند کرنے کی انتہائی کوشش فرمائی۔ مگر کتاب و سنت کے مستقل درس وتدریس کے فقدان کی وجہ سے ان کی کوشش و سعی نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی۔ اور ہندوں کی دیکھا دیکھی ان کی خانقاہوں کے مجاورین نے عوام کو قبر پرستی پر مائل کرتے ہوئے۔ اپنی گزارن اور عیاشیوں کا مستقل زریعہ بنا لیا۔

حضرت مجدد الف ثانی نے مذکورہ بدعات کے خلاف پوری جانفشانی سے زبانی و قلمی جہاد کیا لیکن وہ بھی چونکہ باقاعدہ طور پر قرآن و سنت کے درس وتدریس کی صورت میں نہ تھا۔ اس کا انجام بھی وہی ہوا کہ عوام حضرت مجدد کے ہی بھکاری و پجاری بن کر رہ گئے۔ علماء میں شیخ محمد عبد الحق محدث دہلوی نے اپنے حنفی فقہی طور پر کتاب و سنت کے فروغ دینے کی قابل قدر سعی فرمائی۔ جسے آج تک کتاب و سنت کا داعی طبقہ پورے احترام سے دیکھ رہا ہے۔ مگر شیخ موصوف کی کوشش و سعی بھی ان کے زمانہ تک محدود رہی اور بعد میں اس کو کچھ زیادہ فروغ نہ ہوسکا۔

سلاطین

میں فاتح ہند سلطان محمود غزنوی کا شغف کتاب وسنت مشہور ہے۔ اوران کے اراکین حکومت میں مشاہیر اہل حدیث بھی دیکھائی دیتے ہیں۔ بلکہ آخری عمر میں ان کا حنفی مذہب سے رجوع بھی تاریخی حیثیت سے ثابت ہے چنانچہ علامہ ومیری نے حاشیہ حیواۃ الحیوان میں علامہ قفال مروزی کے فیصل کن مناظرہ کی صورت میں تفصیل سے زکر کیا ہے۔ مگرغازی مرحوم اپنی ملکی مصروفیتوں کی مشغولیت کے سبب ہندوستان میں خالص اتباع کتاب کی تحریک کو کامیاب بنانے کےلئے کوئی مستقل ادارہ یا شعبہ قائم نہ کرسکے۔

سلطان محمد تغلق

کا شغف کتاب وسنت ضرب المثل ہے۔ اور عملاً کتاب وسنت کو وہ ہندوستان میں جاری وساری کرنے کے خواہش مند بھی تھے۔ لیکن اہل بدعت کی متفقہ سازشوں نہ صرف ان کی تحریک کو فیل کیا بلکہ جس بری طرح سے سلطان مرحوم بمعہ اہل وعیال شہید کیا اس کی اندوہگین مثالیں کمیاب ہیں۔

غازی اورنگ زیب عالمگیر

نے اسلام کی نشر واشاعت کےلئے انتہائی فراخ دلی سےاپنے خزانے کا دروازہ کھول دیا۔ مگرہندوستان میں چونکہ فقہ حنفی ہی اصل اسلام کا مظہر سمجھی جارہی تھی۔ اس لیے اس عہد کے علماء احناف نے متاخرین فقہاء حنفیہ کے اقوال وفتاویٰ کوعالم گیری کی صورت میں مرتب کردیا۔

خلاصہ وماحصل

کہ یہ شمالی ہند میں تحریک اہل حدیث کا اجراء مستقل طورپر فروغ ہی نہ پاسکا۔

خاندان شاہ ولی اللہ

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ

الایۃ کے تحت چونکہ ہندوستان میں بھی اتمام حجت کےلئے خالص اسلام یا مسلک اہل حدیث کا اجراء ضروری تھا بنا بریں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلک اہل مدینہ یا مسلک اہل حدیث کے سب سے بڑے داعی اورکتاب وسنت کے مجسم نمونہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہکی اولاد کوہندوستان میں بھجوادیا۔ اگرچہ مدتوں عجم کی بودوباش اورفقہ حنفی کے زیراثر زندگی بسر کرتے ہوئے۔ یہ لوگ اپنے مورث اعلیٰ کی روایات کوایک حدتک کھوچکے تھے۔ تاہم فاروقی خون اور عمر کا جزبہ اتباع کتاب وسنت ان کے قلوب واذہان میں اس درجہ موجود تھا۔ کہ کتاب وسنت کی نصوص ناطقہ کی مخالفت سے بُرافروختہ وبیزار ہوکر علیحدگی اختیار کرنے پر کاربند ہوجاتے تھے۔ چنانچہ فتاویٰ عالم گیری کی تدوین میں مشاہیر اہل علم کی فہرست میں حضرت مولانا شاہ عبدلرحیم ولدماجد حضرت شاہ ولی اللہ ؒ کا اسم گرامی ممتازشان سے نظر آتا ہے۔ لیکن جب کہ شاہ عبدالرحیم صاحب نے تدوین عالم گیری کومدنی فقہ سے مختلف پایا توچندے بعداس کے مرتب کنندگان کی مجلس سے علیحدگی اختیار کرلی۔

یہی وہ حقیقت ہے۔

جسے شاہ صاحب ولی اللہ ؒ نے اپنی قلم حقیقت آشکار سے یوں اعلان کیا ہے۔

''مخفی نماند کہ حضرت والد ماجد وراکثر امور موافق مذہب حنفی عمل می کروند الا بعض چیز ہا کہ بحسب حدیث یا وجدان با مذہب دیگر ترجیح می یافتند'' (انفاس العارفین ص70)

یہ حقیقت ہے کہ میرے والد بزرگوار اکثر امور میں فقہ حنفی کے عالم تھے۔ مگر جب کہ آپ کو معلوم ہو جاتا کہ فقہ حنفی اس امر میں حدیث کے مخالف ہے۔ یا دوسرے مذاہب سے کوئی ایک اس سے صحیح ہے تو فقہ حنفی کے برخلاف حدیث یا دوسرے مذہب کو قبول و معمول فرماتے۔

حضرت شاہ ولی اللہ

چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ ولی اللہ کو ہندوستان میں خالص اتباع کتاب وسنت کی دعوت و تبلیغ اور نشر واشاعت کے لئے منتخب و نامزد فرما رکھا تھا۔ اس لئے ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام یوں فرمایا کہ مدینہ منورہ میں بیٹھا کر آثار نبوت اور فاروقی خاندان کی روایات کے عملی مشاہدات سے نوازا اور پھر واپس ہندوستان بھجوا کر مسلک اہل حدیث کو فروغ دینے پر کاربند کر دیا۔ چنانچہ شمس الہند حضرت شاہ عبد العزیز بطور اظہار شکر اس انعام خاص کا تذکرہ یوں فرمایا کرتے۔

''علم حدیث پدر من از مدنیہ آورو چارودہ ماہ حرمین بودہ مسند کرو'' (ملفوظات ص93)

یہ شرف میرے بزرگوار کو ہی حاصل ہے۔ کہ وہ چودہ ماہ مدینہ میں رہ کر علم حدیث کی متاع لازوال سے مالا مال ہو کر ہندوستان میں اس کی نشر واشاعت کا موجب ہوئے۔

تحریک ولی اللہ

چونکہ اتمام حجت کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب وسنت کی مجسم و آئینہ دار تھی۔ چونکہ اتمام حجت کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب وسنت کی مجسم و آئنہ دار تھی اسلئے ہندوستان کی سیاست اور مذہب میں ایک اچھوتے انقلاب کی صورت میں نمودار ہوئی۔ اور اور اس انتہاء کو پہنچی کے ایک طرف تو کتاب وسنت کا چشمہ شیریں اس جوش و خروش سے موجزن ہے۔ کہ ہندوستان سے گزر کر عالم اسلام کو سیراب کر رہا ہے۔ اور اندرون ہند جو صدیوں سے فقہی جمود طاری تھا۔ اس کے پروے اس درجہ چاک ہو چکے ہیں۔ کہ جس مسلک کے علم برداروں نے فتاویٰ عالم گیری کو اصل اسلام کی صورت میں مرتب کیا تھا۔ اسی مسلک کے حامل علم بردار اپنی درسگاہوں میں کتب احادیث کو پڑھنے پڑھانے پر اس درجہ مجبور ہیں کہ جب تک بخاری کی سند حاصل نہ ہو اگرچہ رسمی ہی سہی دستار فضیلت سے محرومی ہی سمجھی جاتی ہے۔

دوسری طرف

جزبہ جہاد کا جوش و خروش ولی للہ تحریک نے مسلمانان ہند کے دلوں میں اس درجہ پختہ کر دیا۔ کہ بالا کو وغیرہ میں بدر واحد کی تاریخ دہرائی جا رہی ہے۔ اور پورے ہندوستان میں اسلامی آئین کا نفاذ خلافت راشدہ کے نہج پر جاری وساری کرنے کا عزم بالجزم کیا جا چکا ہے۔

پاکستان

کا وجود درحقیقت شاہ ولی اللہ تحریک کا نتیجہ و یادگار ہے۔ 1

1 کلمۃ حق ارید بہا الباطل۔

یعنی اسلام کے نام پر اپنے لئے کرسیوں کی حفاظت۔ ایڈیٹر

صحبت امروزہ

کا موضوع سخن درحقیقت شاہ ولی اللہ سیاسی تحریک ہی ہے۔

مغلیہ خاندان

کی سلطنت کے زوال پر مرہٹوں نے ہندوستان پر قبضہ جمانے کا تہیہ کررکھا تھا۔ اوران کی تحریک کا اصل منشاء ہندوستان سے مسلمانوں کا سیاسی ومذہبی طور پر خاتمہ تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ اس منشاء سے آگاہ ہوکر انتہائی کرب وبے چینی میں بتلا ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ آپ کا وہ سیاسی خواب جس کی مجسم تعبیریں مختلف صورتون میں مجسم شکل وصورت میں نمودار ہوتا آرہا ہے۔ محتاج تعارف نہیں۔

احمد شاہ ابدالی

کا ہندوستان پر حملہ آور ہونا شاہ صاحبؒ کی دعوت وترغیب کا نتیجہ ہے جس کے اثر میں ہندوؤں کے عزم وارادے خاک میں مل جاتے ہیں۔

انگریزوں اور سکھوں کا برسراقتدار آنا

مغل سلاطین اپنی کم ہمتی اور عیاشیوں میں بتلا ہوکر جب کہ بیکار محض ہوچکے تو ایک طرف تو ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں اپنا تسلط جمانا شروع کیا۔ اوردوسری طرف وہ سکھ حکومت جو مسلمان کے انعام کی صورت سے مستقل سلطنت کی شکل میں نمودار ہوئی۔ اس نے اپنی جنگی طاقت کے بل بوتہ پر ہندوستان کو اپنے تسلط میں لینے کا تہیہ کرلیا۔ حضرت شاہ صاحب اگرچہ ان حالات کے نمودار ہونے سے پیشتر جنت الفردوس کو تشریف لے جاچکے تھے۔ مگران کے لخت جگراور جانشین اور خلیفہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اپنے والد ماجد کی خلافت کے فرائض سرانجام دینے میں پوری تندہی سے مصروف تھے۔ یعنی کتاب وسنت کے درس وتدریس کے ساتھ ہی سیاسی تحریک کو بھی پورے انہماک سے چلارہے تھے۔

تحریک جہاد کی ابتداء

انگریزجب کہ سیاسی عیاریوں اوردولت کے بل بوتے پر ہندوستان پر قبضہ جمارہا تھا۔ توحضرت شاہ عبدالعزیز نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کو یہی مشورہ دیا کہ

1۔ یا تو ہندوستان سے ہجرت کرکے کسی دوسرے اسلامی ملک میں سکونت اختیار کرنی چاہیے۔

2۔ یا پھر اپنی قوت کو مجتمع کرتے ہوئے انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنا چاہیے۔

دشمن اسلام

سر ولیم ولسن ہنٹر نے اپنی مصنفہ تاریخ انڈین مسلمان میں شاہ صاحب کے فتویٰ کا متن اوراس کے متعلق اپنی رائے جس انداز سے درج کی ہے۔ وہ مترجم کے اردو الفاظ میں پڑھیے شاہ عبدالعزیز نے ان تمام حالات کو تحریر فرمادیا ہے۔ جن میں (ہر مسلمان پر) ہجرت کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ فقہ کی دوسری کتابوں میں بھی یہ سب باتیں درج ہیں۔ (ہمارے

ہندوستان مسلمان ص202)

ہندوستان کے تمام وہابی اور دین دار مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس ملک کو دارالحرب قرار دیتی ہے۔ (ص202)

اس سے پہلے ص196 پر لکھا ہے۔ کہ وہ فتویٰ جو اس وقت کے سب سے بڑے عالم نے دیا ہے۔ درج زیل ہے۔

''مزید صراحت سے لکھتا ہے۔ وقتاً فوقتاً شائع ہونے والے فتوں سے دو فتوے یعنی شمس الہند شاہ عبدالعزیز اور دوسرا ان کے داماد مولوی عبدالحئی صاحب کا سب سے اہم ہیں۔

جب ہم نے نظامی حکومت کو بتدریج اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ تو اس وقت دیندار مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہوا کہ ہمارے ساتھ ان (انگریزوں کے) تعلقات کیا ہونے چاہییں۔ لہذا انھوں نے ہندوستان کے سب سے زیادہ مستند علماء سے رجوع کیا او اوپر کے دونوں مشہور و معروف علماء نے ان کے جواب میں جو فتوے صادر فرمائے وہ حرف بہ حرف درج زیل ہیں۔

1۔ شاہ عبدالعزیز تحریر فرماتے ہیں۔ کہ جب کافر کسی اسلامی ملک پر قابض ہو جایئں۔ اور اس ملک اور ملحقہ اضلاع کے مسلمانوں کےلئے یہ ناممکن ہو کہ وہ ان کو اس سے باہر نکال سکیں یا ان کو باہر نکالنے کےلئے کوئی امید باقی نہ رہے۔ اور کافروں کی طاقت میں یہاں تک اضافہ ہوجائے۔ کہ وہ کافر اپنی مرضی سے اسلامی خواتین کو جائز اور ناجائز قرار دیں۔ اور کوئی انسان اتنا طاقتور نہ ہو جو کہ کافروں کی مرضی کے بغیر ملک کی مال گزاری پر قبضہ کرسکے۔ اور مسلمان باشندے اسی امن و امان سے زندگی بسر کرسکیں۔ جیسا کہ وہ پہلے (اسلامی آئین کے تحت) کرتے تھے۔ تو اس ملک کا سیاسی اعتبار سے دارالحرب ہونا مکمل کھل کر نمایاں ہوگیا۔

2۔ مولوی عبدالحق صاحب صاف حکم لگاتے ہیں۔ کہ عیسایئوں کی پوری سلطنت کلکتہ سے لے کر دہلی اور ہندوستان خاص سے ملحقہ ممالک یعنی شمال مغربی سرحدی صوبے تک سب کی سب دارالحرب ہے۔ کیونکہ کفر اور شرک ہر جگہ رواج پا چکا ہے۔ اور ہمارے شرعی قوانین کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔ جس ملک میں ایسے حالات پیدا ہو جایئں۔ وہ دارالحرب ہے۔

یہاں ان تمام شرائط کا بیان کرنا جو فتویٰ میں درج ہیں۔ باعث طوالت ہوگا۔ جن کے ماتحت جملہ فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ کلکتہ اور اس کے ملحقات دارالحرب ہیں۔

ان فتووں سے کی نتائج یوں مرتب ہوئے کہ وہابیوں نے جن کا جوش ان کے علم کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ اس اصول سے کہ ہندوستان دارالحرب ہے۔ یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس ملک کے انگریز حاکموں کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے۔ (ص205)

اس سے پہلے بھی ہنٹر صاحب ص188 پر لکھ آئے ہیں۔ وہابی اپنی رائے کی ابتداء اس اعلان سے کرتے ہیں کہ ہندوستان دار لحرب ہوچکا ہے۔ لہذا اس کے انگریز حاکموں کے خلاف جہاد کرنا فرض ہوگیا ہے۔

صفحہ190 پر ہنٹر صاحب لکھتے ہیں۔ موجودہ حالات میں بغاوت اور بھی ضروری ہوجاتی ہے۔ کیونکہ اگر ہندوستان ابھی تک دارالسلام ہے۔ تو انگریزوں نے طرح طرح سے اسلامی قوانین میں دخل اندازی کی ہے۔ انہوں نے قاضیوں کو برطرف اور اسلامی دستور العمل کو منسوخ کردیا ہے۔ اندریں حالات مسلمانوں کےلئے بغاوت کرنا فرض ہے۔

ایک غلطی کا ازالہ

بعض الناس کا خیال ہے کہ مجاہدین کا مقصد سکھوں سے جہاد تھا لیکن ہنٹر سے زمہ دار دشمن اسلام کی مصرح تحریر سے ظاہر ہے کہ ہندوستان میں تحریک جہاد کا آغاز و ابتداء حضرت شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ سے ہوا۔ اور خاص کر انگریز کے ہی خلاف ہوا۔ مجاہدین نے جہاد کا آغاز کیونکہ سرحد سے شروع کیا جس میں سکھ حکومت راستے کا روڑہ تھی۔ لہذا اس روڑے کو راستے سے ہٹا کر دور پھینکنے کی غرض سے ابتداء سکھوں سے ضروری ٹھہری۔

بعض الناس

اس وہم میں بتلاہیں کہ تحریک جہاد کا آغاز شاہ عبدالعزیز کا فتویٰ ولی اللہی تحریک نہیں ۔ بلکہ حضرت سید احمدؒ نے ازخود تحریک جہاد کی ابتداء فرمائی ہے ۔ ہنٹر کی مذکورہ تحریر سے اس غلطی کا بھی پوری طرح سے ازالہ ہوجاتا ہے ۔ کہ تحریک جہاد کی اصل بنیاد شاہ عبدالعزیز اور مولانا عبدالحئی کا فتویٰ ہے ۔ ان حضرات کے معتقدین چونکہ شمالی ہندو سندھ اور بنگال تک پھیلے ہوئے تھے ۔ لہذا ان کے فتوے نے پورے ہندوستان میں ہلچل بپا کردی ۔ اور لوگ جہاد کی قیادت کے منتظر تھے ۔

سید احمد شہیدؒ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیادت کے سامان یوں ظاہر ہوئے ۔ کہ حضرت سید احمدؒ اکتساب فیض کی غرض سے حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں پہنچ گئے ۔ حضرت شاہ صاحب نے ان کی خاندانی وجاہت اور ہونہاری اور ذات جوہر کے تحت ان کو اپنے بھائی حضرت مولانا شاہ عبدالقادر کی خدمت میں بھجوا کر تاکید کردی کہ ''حتیٰ الامکان ان کی خدمات میں کوتاہی نہ کریں ۔ چنانچہ سید صاحب سے میزان کافیہ اور مشکواۃ وغیرہ ابتدائی درسی کتب پڑھیں ۔ چونکہ انجام یہ ہوا کہ اطراف ہند سے جوق در جوق لوگ سید صاحن کی بیعت کا شرف حاصل کرنے کی غرض سے آنے شروع ہوئے ۔ اور ملک بھر میں سید صاحب سے بیعت کے شوق کی لہر دوڑ گئی ۔ بنا بریں دور دراز علاقوں سے محضر نامے موصول ہونے شروع ہوئے کہ سب کا پہنچنا مشکل ہے ۔ لہذا سید صاحب کو تکلیف فرما کر ہمیں زیارت و شرف بیعت سے سرفراز فرمانا چاہیے ۔ پس ان تمام محضر ناموں سید صاحب نے شہید کے زریعے شمس الہند کی خدمت میں عرض کرتے ہوئے دریافت کیا کہ آپ کا کیا حکم اور مشورہ ہے ۔ شاہ صاحب نے جو کہ تحریک جہاد کی ابتداء و آغاز کے انتہائی بے تابی سے منتظر تھے ۔ یہ کیفیت دیکھ کر سید صاحب کو بلوا کر بطور تبرک اپنا خاص لباس عنایت فرماتے ہوئے حکم دیا ۔ بارک اللہ فیک

ضرور تشریف لے جایئے ۔ اور ساتھ ہی شاہ صاحب نے بعض جگہ اپنے عقید تمندوں کو زبانی پیغام بھجوائے اور بعض جگہ تحریری خطوط کہ سید صاحب ہمارے خاص آدمی ہیں ان کی تواضع اور خدمت میں کوہتائی نہ ہو ۔ شہیدؒ اور مولانا عبدالحئی کی بعیت کی شہرت شاہ صاحب کی خلعت اور پیغامات و خطوط نے ولی اللہ عقیدت مندوں کے حلقے میں سید صاحب سے حصول بعیت کا شرف حاصل کرنے میں جو شوق و جزبہ پیدا کیا ۔ وہ قلم اور زبان کے بیان سے باہر ہے ۔ پورے دس سالہ چونکہ تنظیم جماعت می صرف ہوچکے تھے ۔ اس لئے سید صاحب کو وطن واپسی کا خیال ہوا ۔ اور آپ جائے مسکن کی طرف روانہ ہوئے ۔ ابھی آپ راستے میں ہی تھے کہ آپ کو آپ کے بڑے بھائی حضرت سید اسحاق صاحب کی وفات کی اطلاع موصول ہوئی ۔ اس صدمہ جانگاہ سے آپ کی طبیعت نڈھال ہوگئی ۔ کیونکہ سید اسحاق صاحب بلند پایہ عالم تھے ۔ اور آپ کی عدم موجودگی میں افراد خاندان کی خدمت گزاری کے فرائض بھی انہیں سے متلعق تھے ۔ بالآخر آپ 29 شعبان سن 1234 ہجری بریلی تشریف فرما ہوئے ۔ کیونکہ آپ کی دعوت جہاد کا چرچا عام ہوچکا تھا ۔ اس لئے جگہ باجگہ عقیدت مندوں نے فنون حرب کی مشق شروع کردی ۔ اور سید صاحب کسی مرکزی مقام کی تلاش اور غور فکر میں مصروف تھے ۔ کہ ہجرت کا اعلان کرکے پوری جماعت کو مجتمع کرکے جہاد کا آغاز کردیا جائے ۔

اہل بدعت نے حج کے منسوخ ہونے کا فتویٰ دے دیا۔

ہندوستان کے اسلام اور فقہی طرز کے علماء وفقہا کی عملی اور اعتقادہ زندگی کا افسوس ناک مظہر اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتا ہے ۔ کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے جب کہ اہل ہند کو کتاب اللہ کی تعلیم سے آگاہ و آشنا کرنے کےلئے فتح الرحمٰن نام سے قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کردیا ۔ تو فقہاء ہند نے آپ کے کفر اور الحاد کا فتویٰ دیتے ہوئے واجب القتل ٹھرایا ۔ اور حضرت شمس الہند کی صحبت شہید اور مولانا عبدالحئی کی رفاقت سے جزبہ جہاد سے سرشار ہوچکے تھے ۔ لہذا دلی سے رخصت ہوکر بریلی پہنچے اور چندے قیام کے بعد اس کے غیور حکمران نواب امیر خان والئے ٹونک کی فوج میں فن سپاہ گری کے حصول کےلئے ملازم ہوگئے ۔ اور سات برس مختلف جنگوں میں حصہ لینے کے بعد فوجی ملازمت کو ترک کردیا ۔ اور شمس الہند کو ترک ملازمت کی اطلاع عرض کردی ۔ اور چند ایک روز کے بعد حضرت شمس الہند کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بطور ہدیہ پچس روپے نقد آپ کی خدمت میں عرض کیے ۔ اور شمس الہند نے آپ کے قیام کا اہتمام پھر اسی مسجد میں فرمایا ۔ جو مسجد اکبر آبادی قرار دیا ۔ جہاں سے پہلے آپ شاہ عبدالقادر صاحب سے تعلیم حاصل کرچکے تھے ۔ اسی دوران میں

حضرت شمس الہند نے خواب دیکھی۔ کہ نبی کریم ﷺ جامع مسجد دہلی میں تشریف فرما ہیں۔ اوران گنت لوگ آپ کی ملاقات کا شرف حاصل کرنے کےلئے برق رفتاری سے آرہے ہیں۔ آپ کو سب سے اول مصافحہ دوست بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ اور حضور ﷺ نے ایک عصادیتے ہوئے حکم دیا کہ مسجد کے دروازے پر بیٹھ جایئے۔ اور ملاقاتیوں کا ذکر ہم سے کرتے رہو۔ پس جس کو ہم اجازت دیں اسے ہی ملاقات کےلئے مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دیجیے۔ اس خواب کی تعبیر یہ ہوئی کہ تحریک جہاد کا آغاز آپ کے مشورہ سے کسی آپ کے عقیدت مند سے ہوگا۔ جب اس خواب کی تعبیر کا حضرت شمس الہند نے زکر کیا تو شہید اور مولانا عبد الحیٔ پر بھی یہ حقیقت منکشف ہوگئی۔ بنا بریں باہم دونوں بھائیوں میں مشورہ اور مولانا عبد الحیٔ نے اولاً شرف بیعت حاصل کیا۔ اور جو اسرار ورموز آپ پر منکشف ہوئے۔ وہ من وعن حضرت شہید سے عرض کیا۔ پس حضرت شہید نے بھی بیعت کا شرف حاصل کرلیا۔ جب کہ عوام وخاص سے شاہ ولی اللہ خاندان کے ان ہونہاروں کی بیعت کا زکر سنا جن کی نسبت حضرت شمس الہند کی زبانی وہ بارہا یہ الفاظ سن چکے تھے۔

الحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ ۚ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ

سب تعریف کا مستحق وہی معبود حقیقی ہے۔ جس نے بڑھاپے کے عالم میں مجھے اسماعیل اواسحاق ایسے زی علم عطا فرمائے۔

اور یہ بھی فرمایا کرتے کہ عبد الحیٔ تفسیر قرآن میں میرا مجسم وزندہ نمونہ ہے۔ اور فقہ حدیث میں سید اسحاق اور رشیدؒ کے متعلق سوال ہوا۔ تو فرمایا کہ اسماعیل کا علم محدود نہیں۔ وہ میرے عہد شباب کے علوم کے اتم مظہر ہیں۔ فقہاء کے عقیدت مندوں نے قتل کی ساش کر کے آپ پر بھی حملہ کردیا۔ مگر اللہ تعالیٰ کو چونکہ ہندوستان میں خالص اتباع قرآن وسنت کی تحریک کا دوامی طور پر جاری کرنا منظور تھا۔ اس لئے اہل بدعت کی تمام مخالفت ناکام ہو کر رہ گئیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے آثار نبوت اور فاروقی خاندان کی علمی و عملی زندگی سے آشنا کرنے کی غرض سے شاہ صاحب کو حج پر آمادہ کردیا۔ اور فراغت حج کے بعد آپ جوار نبوت میں مقیم ہوئے۔ اورچودہ ماہ کی مسلسل اقامت سے اللہ تعالیٰ نے آپ پر تعلیم و تربیت پر مکمل کردیا۔ اور بعد جب سید صاحب نے جہاد کی تیاری شروع کی تو اہل بدعت یا فقہاء ہند نے سقوط حج کا فتویٰ دے دیا۔ اور دلائل یہ دیئے کہ سمندر میں کشتیوں کا سفر چونکہ موجب خطرہ جان اور تضیع اوقات ہے اس لئے حج فرض نہیں۔ یہ فتویٰ جب آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے شہید اسماعیل اور مولانا عبد الحیٔ کے سامنے پیش کیا اس پر ان بزرگوں نے زبردست دلائل سے مفتیوں کی اسلام سے بے خبری اور لاعلمی ثابت کرتے ہوئے۔ فریضہ حج کو مستطیع مسلمانوں کےلئے تکمیل ایمان واسلام قرار دیا۔ پھر سید صاحب نے یہ فتویٰ معہ دلائل شہید و مولانا عبد الحیٔ شمس الہند کی خدمت میں بھجوا کر آخری فیصلہ طلب کیا۔ شمس الہند نے جواباً لکھ دیا۔ کہ شاہ اسماعیل اور مولانا عبد الحیٔ کا علمی پایہ مجھ سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ ان حضرات نے جو لکھا ہے۔ وہ حق وصواب ہے۔ جن مفتیوں نے آج منسوخ ہونے کا فتویٰ دیا۔ آئندہ یہ روزہ نماز کو بھی منسوخ کرنے پر تیار ہوجایئں گے۔ اور ذکواۃ کی تو ان حضرات کے نزدیک سرے سے ہی رخصت ہے یہ ضرور ہے۔ بعض دفعہ جہاز غرق ہوجاتا ہے۔ مگر اکثر سلامتی وخیر وعافیت سے جاتے اور واپس ہوتے ہیں۔ لہذا اتفاقی واقعہ سے منسوخی حج کا استدلال سراسر باطل وغلط ہے۔

سید صاحب کا ارادہ حج

اللہ رب العزت کو چونکہ سید صاحب کی آخری تکمیل آثار نبوت سے منظور تھی۔ اس لئے سید صاحب کا ارادہ جہاد کو ملتوی کر کے حج کا پختہ ارادہ ہوگیا۔ پس آپ نے کھلا اعلان کردیا کہ جن اصحاب کو ہماری رفاقت منظور ہو وہ سفر حج کےلئے تیار ہوجایئں۔ جو زاد راہ کا اہتمام کر سکتے ہوں خود کرلیں۔ اور جن دوستوں کے پاس نہ ہو۔ ان کے جمیع اخراجات کا انتظام ہم خود کردیں گے۔ جگہ جگہ اس مضمون کے خطوط بھجوایئے۔ جس کے نتیجے میں کم وبیش چار سو افراد پر مشتمل حجاج کا قافلہ تیار ہوا۔ جو کہ شوال کی آخری تاریخ 1236 ہجری پی کے دن رائے بریلی سے باارادہ حج روانہ ہوا۔ ومنعم ماقال۔

نہ برگ وبار کی پروانہ انتظار رفیق یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

اگر خدا پر بھروسہ ہے۔ ہو یگانہ رواں خدا سے بڑھ کر نہیں برگ وسازکی توفیق

غرض یہ کہ یہ قافلہ کشتیوں پر سوار روانہ ہوا۔ اور عقیدت مندوں نے اپنی اپنی بساط کے موافق ضروریات سفر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور کلکتہ پہنچ کر دس جہاز کرائے پر لے لیے گئے جن

کا کرایہ فی کس بمعہ سامان بیس روپے طے ہوا۔ ہر جہازی قافلہ کے لئے ایک ایک زی علم و متقی اصحاب کو امیر مقرر کر دیا گیا۔ اور ہر طرح کی ہدایات فرما دیں۔ غرض یہ کہ دس جہازوں نے لنگر اٹھایا۔ اور سب سے آخر سید صاحب کا جہاز روانہ ہوا۔ خدا کے فضل و کرم سے جہاز سکون اطمینان سے چلتے ہوئے جب عدن کی بندرگاہ سے آگے مخا نامی بندرگاہ میں پہنچے تو قافلہ وہاں اترا اور ابھی حج میں چونکہ کچھ وقفہ تھا۔ اس لئے ایک ماہ یہاں شہر میں قیام کیا۔ دوران قیام سید صاحب کو حضرت علامہ شوکانی کی کتاب ''موضوعات'' کا علم ہوا تو آپ نے مولانا عبد الحئی صاحب کو اس کے حصول پر مامور کیا۔ مگر باوجود تلاش کثیر شہر مخا میں نہ مل سکی بالآخر قاضی شہر نے عرض کیا آپ ایک خط لکھ دیجئے۔ ہم آپ کی واپسی تک صفا سے ایک نسخہ نقل کروا کر منگوالیں گے۔ اور آپ کے علاوہ کر دیا جائے گا۔ لہذا اسی طرح قاضی صاحب کی موضوعات ہندوستان میں پہنچ گئی۔ واللہ الحمد۔

قیام مخا کے بعد قافلہ جدہ پہنچ گیا۔ اور جدہ سے روانہ ہو کر یہ مقدس قافلہ جبکہ مقام ''حدیبیہ'' میں پہنچا تو آثار نبوت سے سرفرازی کے لئے پورا قافلہ کافی دیر تک دعا میں مشغول رہا۔ اور پھر وہاں سے رخصت ہو کر بالآخر مکہ مکرمہ پہنچ گیا۔ اور آپ بمعہ قافلہ اسی راستہ سے داخل شہر ہوئے۔ جس راستے سے حضور داخل ہوئے تھے۔ پھر باب اسلام سے حرم شریف میں داخل ہو کر طواف کیا۔ اور مقام ابراہیم پر دوگانہ طواف ادا کرنے کے بعد سعی فرماتے ہوئے احرام کھول دیا۔ پھر معمول نبوی کے مطابق احرام باندھ کر ان تمام آثار پر پوری توجہ اور خشوع سے دعا فرماتے ہوئے۔ حج سے فارغ ہوئے۔ اور مدینہ منورہ کو روانگی شروع ہوئی۔ اور منزلیں طے کرتے ہوئے بالآخر منزل مقصود پر پہنچے پورا ایک ماہ طیبہ میں قیام رہا۔

یہ وہ زمانہ تھا۔

جب کہ ارباب حکومت نجدیوں کا داخلہ حرمین میں بند کئے ہوئے جس شخص پر وہابیت کا ادنیٰ شبہ بھی ہو جاتا وہ گرفتار کر کے تختہ مشق بنایا جاتا۔ سید صاحب کے قافلے کے ایک جوشیلے موحد مولوی عبد الحق صاحب تھے بعض بدعات پر انھوں نے کچھ روک ٹوک کی پس پھر کیا تھا۔ وہابیت کے جرم میں دھر لئے گئے۔ چنانچہ مولانا عبد الحئی نے ضمانت پر رہا کروایا۔ اور تاریخی پیشی پر صفائی پیش کی کہ ہم تو ہندوستانی ہیں۔ نجدیوں سے تو ہمیں قطعاً راہ رسم بھی نہیں لہذا عدالت نے مولوی صاحب کو بری کر دیا۔ اور ایک پورا ماہ قیام اور جمیع آثار نبوت پر دعائیں کرنے کے بعد 9 ربیع الاول سن 1238 ہجری کو واپس لوٹے۔ رات ذوالحلیفہ میں گزاری۔ اور عمرے کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ کو روانہ ہوئے۔ اور عمرے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد واپس وطن لوٹے اور 20 ذوالحجہ 1238 ہجری بمبئی اترے۔

عقیدت مندوں کا جھرمٹ

بمبئی میں تشریف فرما ہونے کی خبر بجلی کی رو کی طرح پھیل گئی۔ ملاقاتیوں اور بیعت کنندگان کا ہجوم اس درجہ تھا۔ کہ بیعت و مصافحہ محال تھے۔ اس لئے آپ نے ایک لمبا کپڑا پھیلا دیا۔ اور فرمایا جس جگہ سے کپڑے کا کوئی حصہ کسی کو میسر نہ ہو پکڑے۔ پس یہی ہمارا ہاتھ ہے۔ اس پر بیعت ہو جائے گی۔ غرض یہ کہ حج سے واپسی پر مریدوں اور عقیدت مندوں کی تعداد میں دن بدن ترقی اور اضافہ ہوتا گیا۔ اور آپ ہمہ تن جہاد کی تیاری اور فراہمی سامان میں مصروف ہو گئے۔ اور دعوت جہاد کو عام کرنے کی غرض سے باقاعدہ دور دراز شہروں اور قصبوں میں داعی بھجوائے۔ اور داعیوں کے سرخیل وانچارج شہیدؒ اور مولنا عبد الحئی مقرر ہوئے۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں نے اپنی علمی قابلیت اور سحر بیانی سے ہندوستان کے کونے کونے میں مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پروانوں کی طرح وارفتہ ہو کر لوگ شمع جہاد پر قربان ہونے کے لئے پہنچنے شروع ہوئے۔

حرمین الشریفین سے واپسی کے بعد ایک برس دس ماہ کی مدت میں معرکہ بدر واحد کی یاد کو ہندوستان میں تازہ کرنے والے قدوسیوں کی جماعت تیار ہو گئی۔

جہاد کی ابتداء کہاں سے ہو؟

مجاہدین جبکہ نعرہ جہاد کی صدا پر شوق شہادت میں مضطرب و بے قرار ہو رہے تھے۔ تو اب فیصلہ طلب یہ امر تھا کہ جہاد کہاں سے شروع کیا جائے کافی غور و فکر کے بعد متفقہ فیصلہ یہ ہوا کہ صوبہ سرحد میں مرکز قائم کر کے وہاں سے جہاد کی ابتداء کی جائے۔ لہذا مجاہدین کو جمع کر کے سرحد کی طرف 7 جمادی الثانی 1241 ہجری مارچ کا حکم دیا گیا۔ اس وقت غازیوں

کی تعداد پانچ سو سے اوپر چھ سو سے کم بتائی جاتی ہے۔ اورزادِراہ کےلئے صرف پانچ ہزار روپیہ نقد موجود تھا۔ پس رائے بریلی سے ہوکر گوالیار کے راستے سے منزل منزل طے کرتے ہوئے ٹونک پہنچ گئے۔ اور پھر یہاں سے روانہ ہوکر اجمیر کے راستہ سے سندھ پہنچے اور حیدر آباد ہوتے ہوئے شکارپور اور کوئٹہ کے راستہ سے درہ بولان سے گزرتے ہوئے قندھار تشریف لے گئے۔ بطور قصہ یا داستان کے یہ سن لینا تو معمولی بات ہے۔ مگر ان کٹھن راستوں کو پیدل چل کر عبور کرنا سوائے مجاہدین کے کسی دوسرے سے سخت جان سے سخت جان کے لئے ناممکن نہیں۔ تو انتہائی کٹھن اور دشوار ضرور ہے۔ اور پھر باشوق جہاد و شہادت ان کٹھن راستوں کو راحت جان سمجھ کر عبور کرنا یہ انہیں اہل اللہ کا کام ہے۔ عامۃ الناس اور اہل دنیا تو اس سفر کو سراسر مجنونانہ حرکت قرار دیں گے۔

قصہ مختصر یہ کہ مجاہدین نے چارسدے میں قیام کیا۔ سکھ حکومت کو چونکہ مجاہدین کے جزبہ جہاد سے اطلاع مل چکی تھی۔ بنا بریں حکومت نے جاسوسی کا خاطر خواہ اہتمام کیا۔ چنانچہ مجاہدین نے ایک مشتبہ آدمی کو گرفتار کرکے سید صاحب کے سامنے پش کردیا۔ جب کہ سید صاحب نے اس سے حقیقت واقعہ بیان کرنے کو کہا تو شیر خاں نے اصل واقعہ بیان کردیا کہ فی الواقعہ سکھوں نے جاسوسی پر ہی مجھے مامور کیا ہے۔ اور بدھ سنگھ آپ کے مقابلہ کےلئے خیر آباد میں جرار لشکر لے کر پہنچ چکا ہے۔ پس یہ کیفیت معلوم کرکے سید صاحب نے شیر خاں کی جان بخشی فرماتے ہوئے۔ فرمایا کہ ہمارا یہ پیغام غیر مبہم الفاظ میں بدھ سنگھ کو پہنچانا تمہارے زمہ فرض ہے کہ جس طرح تو رنجیت سنگھ کا فرماں بردار اور اطاعت گزار ہے۔ ویسے ہی ہم بھی اپنے حقیقی مالک کے فرمانبردار اور اس کے حکموں کے پابند و عامل ہیں۔

کرشمہ قدرت

یہی شیر سنگھ جو سکھوں کی طرف سے جاسوسی پر مامور تھا۔ سید صاحب کے اخلاق کی تلوار سے گھائل ہوکر بصد خوشی بیعت جہاد کرتا ہوا شریک مجاہدین ہوگیا۔ اور عرض کیا کہ ان شاء اللہ بدھ سنگھ کو آپ کا پیغام لفظ بالفظ پہنچاتا ہوا۔ اس کے لشکر وغیرہ کی پوری کیفیت واپسی پر عرض کروں گا۔ غرض یہ کہ سکھوں کی جاسوسی کے بجائے اب یہ سید صاحب کا خاص جاسوس ہوگیا۔

ایک غلطی کا ازالہ

جیسا کہ پیچھے زکر ہوچکا کہ سید صاحب کے جہاد کا اصل مقصود و مدعاء انگریز کو ہندوستان سے نکال کر خلافت راشدہ کے نہج پر اسلامی آیئن کی مظہر حکومت کرنا تھا۔ مگر ہندوستان میں رہتے ہوئے انگریز سے جنگ ناممکن تھا۔ اس لئے سرحد کو اپنا مرکز قرار دیا۔ اب چونکہ سید صاحب کے مرکز اور انگریزوں کے درمیان سکھ حکومت حائل تھی۔ اس لئے راستہ صاف کرنے کی غرض سے سکھ حکومت کے روڑہ کو راستہ سے اٹھا پھینکنا ضروری تھا۔ اس لئے جہاد کی ابتداء سکھوں سے شروع ہوئی۔ چونکہ سکھوں کی سلطنت کے خاتمہ پر پورے ہندوستان پر انگریزی حکومت مسلط ہو چکی تھی اس لئے عیار انگریز نے تزکرہ نویسوں سے یہ لکھوا دیا کہ مجاہدین محض سکھوں کی ظالم حکومت ہی سے جہاد کے خواہش مند تھے۔ اور انگریزی سلطنت جس میں مسلمانوں کے جان و مال محفوظ ہیں۔ کوئی تعرض نہیں چاہتے تھے۔ یہ محض انگریز کی سیاسی عیاری اور مکاری ہے جس کا شکار بعض مخلص مسلمان بھی ہوگئے۔ اور بعض احباب نے یہ بھی سمجھا ہے۔ کہ سید صاحب کا مقصود و مدعا تو انگریز ہی کو خارج کرنا تھا۔ مگر انگریز نے عیاری سے سید صاحب کی تحریک کا رخ سکھوں کی طرف پلٹ دیا۔ یہ اور اس قسم کے دوسرے سب توہمات غلط و باطل ہیں۔ سید صاحب نے راستے کے روڑہ کی حیثیت سے سکھوں کے ساتھ جہاد شروع کیا۔ اور چھوٹی چھوٹی لڑائیوں سے قطع چار ایسے مستقل جنگوں سے چھکے چھڑوائے کہ جن میں سکھوں کی فوج کی تعداد لاکھوں پر مشتمل باقاعدہ تربیت یافتہ اور جدید جنگی سامان سے مسلح تھی۔ چونکہ سکھ فوج میں تجربہ کار انگریز افسر موجود تھے۔ انہوں نے عیاری اور فریب سے سرحدی مسلمانوں کو مال و دولت اور حکومت وغیرہ کا چکمہ لالچ دے دلا کر مسلمانوں کو سید صاحب سے علیحدہ کرنے اور خود سید صاحب کو زہر دلوانے میں بھی کامیاب ہوگئے۔ جبکہ سید صاحب کے عزم واستقلال میں ایک بال برابر بھی فرق نہ پایا۔ تو مال و زر کا لالچ دے کر منافقین کا ایک ایسا گروہ بھی تیار کر لیا۔ جو بروقت منافقت سے مجاہدین کو شہید کروانے اور سکھوں کو کامیاب کرنے کے فرائض سر انجام دے۔ چنانچہ اس گروہ کی منافقت سے سید صاحب اور شہید اور ان کے اکثر خاص رفقاء مقام بالاکوٹ میں شہادت سے سرفراز ہوتے ہوئے شہدا کے زمرے میں شامل ہوگئے۔

کیا سید صاحب اوران کے رفقاء ناکام ہے۔

ظاہر بین سمجھتے ہیں کہ سید صاحب اپنے مقصد میں ناکام وفیل رہے۔ لیکن جب سید صاحبؒ کے مقصد کو با نظر غائر دیکھا جائے تو عیاں ہوجاتا ہے۔ کہ آپ کو فتح وشکست سے کوئی سروکار نہ تھا۔ آپ کا مقصد واحد اللہ تعالیٰ کی رضا اور مسلمانوں میں جذبہ جہاد کا احیاء تھا۔ جس سے مسلمان غافل ہوچکے تھے۔ بطور مثال ونمونہ سید صاحب اوران کے رفقاء کا جذبہ طلب رضاء الہٰی ملاحظہ فرمایئے۔

''سید احمد شہید'' مصنف غلام رسول مہر 437 میں ہے۔ جوغازی فوت ہوئے ان کے کفن کےلئے کپڑا میسر نہ تھا۔ شیخ ولی محمد یا تو انھیں کی چادریں اوڑھا دیتے یا جاجم کے ٹکڑے کاٹ کران سے کام نکالتے۔ آٹا پیسنے کےلئے چکی خرید رکھی تھیں۔ حکم یہ تھا کہ جو بھائی چاہے۔ قیمتاً پسوائے۔ اورجسے پسند ہوخود پس لے۔ ایک روز سید صاحب پھرتے پھراتے اپنی اس جماعت کی طرف نکل گئے۔ جس کے نائب سالار شیخ ولی محمد تھے۔ آپ نے دیکھا کہ مولوی الہٰی بخش رام پوری اپنے ہاتھ سے چکی میں آٹا پس رہے ہیں۔ سید صاحب بے تکلف ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ اور ہاتھ پکڑ کر آٹا پسوانے لگے۔ حتیٰ کہ ایک سیر پس دیا۔ جو جگہ نماز کےلیے مخصوص تھی۔ وہ محض ایک احاطہ تھا۔ چھت تھی نہ فرش نماز پڑھتے وقت غازیوں کو کنکر چبھتے تھے۔ اس لئے ایک دن فرمایا کہ درانتیاں لے کرچلو اور جنگل سے گھاس کاٹ کرلائیں۔ خود بھی درانتی لی اور ساتھیوں کے ہمراہ گھاس کاٹ کرلائے۔ حضرت صاحب کی تعلیم کے مطابق کسی کو کسی بھی کام سے عار نہ تھا۔ سب اپنے ہاتھ سے کپڑے دھوتے اور کھانا پکاتے۔ جنگل سے لکڑیاں اٹھا کرلاتے چکی پیستے۔ بیماروں اور معذوروں کی قے اور نجاست اپنے ہاتھ سے اٹھا کر باہر پھینکتے جو لوگ بعد میں آئے انھوں نے پہلوں سے سبق حاصل کیا۔ لشکر بھر کی زبان فحش ودشنام سے بالکل محفوظ تھی۔ (صفحات 438۔439)

دوسری جگہ لکھا ہے کہ قلت غذا کا یہ حال تھا کہ بعض دفعہ فی کس ایک ایک مٹھی جوار ملتی جسے بعض حضرات تو بھون کرچبا لیتے اور بعض پس کر ستو بنا کرپی لیتے۔ بیماروں کو یہی جوار اُبال کر مثل جوارش پلائی جاتی۔ اور بطور دوا جو مکسچر دیا جاتا۔ وہ کٹھ بکل بوٹی جوزمین پر پھلی ہوتی ہے اکھاڑ کر پہلوا کر جوش دلا کر اسمیں قدرے نمک کا اضافہ کرکے پلایا جاتا۔

گلہ شکوہ نہ تھا۔

ان انہتائی کٹھن اور مشکل حالات میں بھی کبھی کسی مجاہد کی زبان سے بے صبری کا اظہار نہ ہوا۔ اورنہ ہی کبھی یہ سننے میں آیا کہ میں غلطی سے غازیوں میں آگیا ہوں۔ غرض یہ کہ دکھ سکھ جنگ واطمینان ہر حال طالب رضاء الہٰی روز خوش وخرم نظر آتا تھا۔

سکھ حکومت

رہی سکھ حکومت کی فتح تو اس کا نتیجہ دنیا کے سامنے ہے۔ کہ مجاہدین کی تلوار نے ان کی جڑیں کھوکھلی کرکے خانہ عنکبوت بنا دیا۔ اورانگریز نے ایک ہی حملے میں اسکو بری طرح سے نیست ونابود کردیا۔ کہ دنیا میں قیامت تک اس کا نام لیوا ہی پیدا نہ ہوگا۔ بلکہ والئی حکومت کی اولاد سکھ قوم سے متنفر دبیزار عیسائیت کی آغوش انگلستان میں وقت گزار رہی ہے۔

ھٰذا ما عندي والله أعلم بالصواب

فتاویٰ علمائے حدیث

جلد 12 ص 95-112